

PERFECT LAW

PERSIAN URDU

کامل شریعت

F.C. PETER
MEMORIAL LIBRARY
Church of Pakistan
KHANAWAL

مترجمہ

مسز ایف ڈی۔ وارث صاحبہ

بی۔ اے۔ فنشی فاضل

پنجاب ریجسٹر بک سوسائٹی

انارکلی۔ لاہور

Punjab Religious Book Society

Anaraki, Lahore

۱۰۰۰

۱۹۳۷ء

بار اول

پی۔ لاہور میں۔ لاہور میں۔
 باہر لاہور میں۔ لاہور میں۔
 سیکرٹری پنجاب۔ لاہور میں۔
 لاہور میں۔ لاہور میں۔

کامل شریعت

حمد و تعریف ہو اُس خداوند تعالیٰ کی جو رب العالمین ہے۔ جس نے
محبت سے ہم کو خلق کیا ہے تاکہ ہم اُس کا عرفان حاصل کریں اور اُس کی خدمت
بجلائیں۔ جس نے اپنے آپ کو بغیر گواہوں کے نہیں رکھا بلکہ اپنے انبیائے کرام
کو بھیجا تاکہ وہ ہم کو گناہ اور خطا کی تاریکی سے بچا کر راست بازی اور نور حق کی
جانب ہماری رہبری کریں۔

لیکن یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ خداے تعالیٰ کی اس مخلوق دنیا میں ہر
ایک شے کو بڑھنا اور ترقی کرنا ہے بلوط کا بیج بڑھتے بڑھتے شاہ بلوط کا ایک
تناور درخت بن جاتا ہے۔ تخم آہستہ آہستہ غنچہ اور گل کی صورت اختیار کر
لیتا ہے۔ بربریت رفتہ رفتہ تہذیب کا جامہ پہنتی اور جمالت حکمت و خرد میں تبدیل
ہو جاتی ہے۔ پس یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں بلکہ ایک امر متوقع ہے کہ خدا کی انہی
تدبیر کے انکشاف میں بھی ترقی ہو یعنی حق بھی بتدریج ظاہر کیا جائے۔ جس طرح
یہ ممکن نہیں کہ جماعت اول کا طالب العلم جماعت دہم کے مسائل جبر المقابله
کو سمجھ سکے۔ اُسی طرح انسان بھی ابتدائی زمانہ میں محض اس قابل تھا کہ خدا کی
ماہیت اور بنی نوع انسان کے حق میں رضا الہی کی صرف مبادی حقیقتوں
کو سمجھ سکیں۔ جس طرح طالب العلم جماعت بہ جماعت ترقی کرتا جاتا ہے۔ اُسی

طرح خداوند تعالیٰ نے بھی بنی آدم کو ایک سلسلہ کشف والہام میں سے گذر
 کر اپنی رضا و ارادہ کے کامل علم تک پہنچا دیا ہے۔
 لہذا نبی کی نبوت کا ایک خاص ثبوت یہ ہونا چاہئے کہ آیا وہ نسل انسانی
 کے لئے کوئی جدید تعلیم لایا ہے یا نہیں یعنی ایسی تعلیم جو گذشتہ تعلیم سے بہتر
 ہو۔ چونکہ انسانی عقل ایک ناقص نقطہ سے شروع کر کے ایک کامل نقطہ کی جانب
 ترقی کرتی ہے لہذا وہ یہ یقین نہیں کر سکتی کہ درحالیہ خدا ایک کامل اور پوری تعلیم
 دے چکا ہے وہ اس پر تکامل یا ناقص تعلیم کا اضافہ کرے۔ ایک دانا استدلال
 کا دستور العمل عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے شاگرد کو سال بہ سال زیادہ مشکل اسباق دے
 لیکن یہ امر بعید القیاس ہے کہ جماعت دہم کے شاگرد کو تمام اسباق پر عبور کرنے کے
 بعد پھر جماعت اول میں بھیجا جائے۔

اُس شخص پر جو حضرت موسیٰ اور خداوند یسوع مسیح کی تعلیمات کا مقابلہ کرتا ہے۔
 یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں تدریجی ترقی عمل میں آئی ہے۔ اہل اسلام
 اور مسیحی اس امر پر متفق ہیں کہ خداوند یسوع کی تعلیم حضرت موسیٰ کی تعلیم پر فوقیت رکھتی
 ہے اور جب ہم ان ہر دو کی تعلیمات کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہم بھی اس حقیقت کو معلوم کر
 لیتے ہیں مثلاً حضرت موسیٰ کے قسم کھانے سے متعلق حکم پر غور کیجئے۔ گنتی ۲: ۱۰ میں موسیٰ
 نے اس کے متعلق یوں تعلیم دی۔ ”اگر کوئی مرد خدا خدا کی منت مانے یا قسم کھائے اپنی
 جان پر کوئی فرض ٹھہرائے تو وہ اپنی بات نہ ٹالے بلکہ سب پر جو کچھ اس کے منہ سے نکلا ہے عمل
 کرے۔“ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس حکم کی تکمیل قوم کی بہتری و بہبودی کا باعث
 ہوگی۔ لیکن خداوند یسوع مسیح نے دنیا میں اگر اس حکم کی تکمیل کی اور ہم کو
 یہ حکم ذیل کے الفاظ میں دیا کہ ”میں تم سے کہتا ہوں کہ بالکل قسم نہ کھانا۔۔۔۔۔
 بلکہ تمہارا کلام ہاں۔ ہاں یا نہیں۔ نہیں ہو۔ کیونکہ جو اس سے زیادہ ہے

وہ بدی سے ہے۔“ (متی ۵: ۳۷ و ۳۸)

خداوند یسوع مسیح کے حکم کی فوقیت فوراً عیاں ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ قسم کھانے والا یہ محسوس کرے کہ اس کو مجبوراً سچ بولنا ہے لیکن اگر وہ قسم نہ کھائے تو وہ بلا شک جھوٹ بول دیگا۔ وہ یہ خیال کرے گا اور کہے گا کہ چونکہ میں نے اس مرتبہ سچ بولنے کی قسم نہیں کھائی لہذا اگر میں نے جھوٹ کہہ دیا تو کچھ مضائقہ نہیں اس طرح وہ جھوٹ بولنے کا عادی ہو جائیگا۔ ہم خود اپنے تجربہ سے دیکھتے ہیں کہ جو لوگ زیادہ قسم کھاتے ہیں وہ زیادہ جھوٹے ہوتے ہیں۔ ایماندار شخص کو اپنا اعتبار قائم کرنے کے لئے قسم کھانے کی مطلقاً ضرورت نہیں۔ پس بدتمیزی ماں ماں ہو اور نہ نہ۔ تاکہ تمہارا ہر لفظ قسم کی سی اہمیت رکھے کیونکہ جو اس سے زیادہ ہے وہ بدی سے ہے۔ دیگر خدا کے پاک نام کا اس قدر استعمال پرے درجہ کی بے ادبی و گستاخی ہے! ہم میں سے ایسا کون ہے جو معمولی گفتگو کے دوران میں اپنی ماں کا نام لینا پسند کرتا ہو کیا ہم میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی ماؤں کا اس قدر پاس ادب نہیں کہ اُس کا نام بار بار لینے سے احتراز کرے؟ پس معمولی معاملات میں خداوند تعالیٰ کا پاک و مبارک نام بے پروائی کے ساتھ زبان پر لانا کس قدر زیادہ غیر مناسب ہے سو معاف ہو گیا کہ مسیح کا حکم اس باب میں بدرجہا بہتر اور اعلیٰ تر ہے۔

غرض ہم اس بات کے متوقع ہیں کہ اگر کوئی بنی مسیح خداوند کے بعد آئے تو وہ اس کی تعلیم سے بہتر تعلیم دے (اگر ایسا کرنا ممکن ہو تو) یا کم از کم اُس کی تعلیم کے ہم پایہ تو ضرور ہو۔ لیکن جب ہم اُس کی تعلیم کی جانب رجوع کرتے ہیں جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے خداوند مسیح کے بعد آیا تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد ایک ایسا حکم دینے کے بجائے جو مسیح کے حکم سے بلند تر یا ہم پایہ

ہی ہوتا پھر اسی حکم کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جو مکمل سمجھا جا کر نسوخت کیا جا چکا تھا
 یعنی وہ قسم کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مزید براں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بار بار خود قسم کھاتے
 ہیں۔ مثلاً سورہ ۹۱ (سورہ شمس) میں وہ چاند۔ سورج کی قسم۔ دن اور رات کی قسم
 آسمان اور اس کے خالق و مالک یعنی خداوند تعالیٰ اور روح و زمین کی قسم کھاتے ہیں۔
 درحالیکہ انجیل جلیل اس کی قطعاً ممانعت کرتی ہے۔ یعنی میں تم سے کہتا ہوں کہ بالکل
 قسم نہ کھانا۔ نہ تو آسمان کی کیونکہ وہ خدا کا تخت ہے۔ نہ زمین کی کیونکہ وہ اس کے
 پاؤں کے نیچے کی چوکی ہے۔ (متی ۵: ۳۴ و ۳۵) یہ دیکھ کر مسیحی یہ سوال کہتے ہیں
 کہ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا جو عقل کل ہے مسیح کے کامل اور اعلیٰ معیار کو اس قدر
 ادنیٰ بنادے؟ یا کیا یہ ممکن ہے کہ خدا اپنے پاک نبی کی معرفت پہلے تو یہ تعلیم دے کہ قسم کھانا گناہ
 ہے بعد ازاں ایک اور کو بھیجے جو خود حسب ضرورت قسم کھائے اور اپنے پیروؤں کو بھی اس کی تلقین کرے
 آئیے ہم چند ایک لمحوں کے لئے اس تعلق پر غور کریں جو شریعت کا طبقہ نسواں کے
 ساتھ ہے۔ چونکہ نسل انسانی کے افراد میں سے نصف صنف نازک ہیں لہذا یہ قوانین جو طبقہ نرواں
 سے متعلق ہیں نہایت ہی اہم ہیں۔ کم از کم تین بنیادی امور ہیں جو قابل غور ہیں اور وہ تینوں
 طبقہ نسواں سے متعلق ہیں۔ یعنی اول۔ تعداد ازدواج و کنیزگان۔ دوم
 مسئلہ طلاق۔ سوم مرد و زن کے مساوات۔ پہلے پر غور کرنے سے ہم کو معلوم ہوتا ہے
 کہ توریت کی اجازت سے کثیرالازدواجی کا دستور عام طور پر رائج تھا۔ موسوی شریعت
 میں ایک مرد کی دو منکوحہ بیویوں کے باہمی تنازعوں کا فیصلہ کرنے کے لئے قوانین موجود
 تھے۔ حضرت یعقوب کی دو منکوحہ بیویاں تھیں اور دو کنیزیں۔ داؤد کی متعدد بیویاں
 تھیں اور سلیمان کے متعلق مرقوم ہے کہ اس کی سات سو بیویاں تھیں اور تین سو کنیزیاں
 اس سلسلہ یا دستور کے نقائص و قبائح خود توریت سے صاف عیاں ہیں۔ یعقوب
 کی بیویوں کے درمیان باہمی حسد کی وجہ سے دائمی فساد و عناد رہتا تھا اور وہ فساد ان کی

زندگیوں کے ساتھ ختم نہ ہو بلکہ اُن کی اولاد کے درمیان بھی اسی طرح برقرار
 رہا۔ اور آخر کار اس حد تک پہنچ گیا کہ یوسف کے بھائیوں نے اُس کو اسمعیلیوں کے
 ہاتھ فروخت کر دیا۔ داؤد کے بیٹے جو اُس کی مختلف بیویوں سے پیدا ہوئے تھے
 ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے اور تاج و تخت کی خاطر ایک دوسرے کے
 خون کے پیاسے تھے۔ سلیمان کی کثیر الازدواجی کے باعث بنی اسرائیل کے درمیان
 بت پرستی عام ہو گئی اور اس کی وجہ سے قوم یہود کی سلطنت منقسم ہو گئی۔ لہذا اُن اسی
 کی وجہ سے خداوند یسوع مسیح نے حکم دیا کہ ایک مرد صرف ایک ہی بیوی رکھے اور وہ
 دونوں ایک جسم ہونگے۔ (مرقس ۱۰: ۶) کیا یہ بدرجہا بہتر نہیں کہ ایک مرد کی ایک
 ہی بیوی ہو جو اس سے محبت رکھے اور اُس کی ترقی کی خواہشمند ہو یا یہ کہ متعدد
 بیویاں ہوں جن میں سے ہر ایک کی غرض اور کوشش یہ ہو کہ اپنے شوہر کے مال و
 نام میں سے جس قدر زیادہ ممکن ہو دبوچ لے لیکن اُس کی ذاتی خیر و عافیت اور
 خوشحالی کی اُسے سرِ مو پر واندہ ہو۔ ایسی حالت نہ صرف مردوں کے لئے مفید ہے بلکہ
 عورتوں کے لئے بھی کیونکہ انسان ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں کہ دو بیویاں باہم
 ایک دوسرے سے حسد نہ کریں۔ پھر اولاد کو لیجئے کیا اُن کے لئے بھی یہ بہتر نہیں
 کہ وہ اُن پر حسد سازشوں کے بد اثرات سے بچ جائیں کہ جو حسد بیویوں
 کا ہر روز کا معمول ہوتا ہے۔ اور ایسے گھروں میں پرورش اور تربیت پائیں جو
 حقیقی محبت اور باہمی اعتبار اور اعتماد کا اعلیٰ نمونہ ہوں۔ علاوہ ازیں انسانی
 عقل بھی اس امر کی صداقت سے منکر نہیں ہو سکتی کہ خداوند تعالیٰ کا بھی یہی
 ارادہ و نیش ہے کیونکہ وہ مرد و زن کو ایک برابر تعداد میں خلق کرتا ہے مثلاً
 امریکہ کے صوبجات متحدہ کی سن ۱۹۲۰ء کی مردم شماری کی رپورٹ سے معلوم
 ہوتا ہے کہ مردوں کا شمار پانچ کروڑ اثنائیس لاکھ چار سو اکتیس اور مستورات

کلہا پنج کروڑ اٹھارہ لاکھ دس ہزار ایک سو ستاسی تھا۔ یعنی درحقیقت مردوں کی تعداد مستورات کی تعداد کی نسبت زیادہ تھی اور جہاں کہیں پورے طور پر حساب کیا گیا ہے وہاں دیکھا گیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کا شمار قریب قریب برابر رہتا ہے۔

عزید برائے انسانی تجربہ نے مسیح خداوند کی تعلیم کی حکمت اور دانائی کو ثابت کر دیا ہے۔ کیونکہ نہ فقط مغربی اقوام نے ہی کثیرالازدواجی کے خلاف قوانین جاری کر کے اس کو بڑھ کر قرار دیا ہے بلکہ حکومت ٹرکی بھی جو ایک مسلمان حکومت ہے۔ تیرہ سو سال تک کثیرالازدواجی کے رواج کا تجربہ کرنے کے بعد اس کو رسمی طور پر ترک کر کے وحدت الازدواج کی تائید کر رہا ہے۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ اول یہ بات کہ یہ حکم بعد میں خداوند یسوع مسیح نے دیا اور کہ یہ پہلے ناقص حکم پر فائق ہے۔ دوم یہ بات کہ عقل انسانی اس حکم کی فضیلت پر شاہد ہے اور سوم یہ کہ تجربہ انسانی نے ثابت کر دیا ہے کہ یہی ایک واحد تسلی بخش انتظام ہے۔ یہ تینوں باتیں اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ یہی خدا کا مقرر کردہ معیار ہے۔ پس ہمیں امید ہوتی ہے کہ مسیح کے بعد آنے والا شخص اس اہم حقیقت کے متعلق اگر اس حکم سے بڑھ کر نہیں تو کم از کم اس کا ہم پایہ حکم تو ضرور دیگا بشرطیکہ اس سے بہتر حکم کا ہونا ممکن ہے تو لیکن ہم کو اس قدر خیرت ہوتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد خداوند یسوع مسیح کے بعد آکر اور بعض اشخاص کے خیال کے مطابق خداوند مسیح سے برتر ہو کر مسیح کے حکم سے بہتر حکم نافذ کرنا تو درکنار اس کے ہم پایہ حکم بھی نہیں دیتے بلکہ وہ پھر کسی ادنیٰ اور منسوخ شدہ موسوی شریعت کی جانب راغب ہوتے ہیں اور اپنے پیروں کو چار منکوحات اور لا تعداد لونڈیاں رکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ سورہ

نسا - آیت ۳)

اب قانون طلاق پر غور فرمائیے۔ موسیٰ کے زمانہ سے پیشتر طلاق سے متعلق کوئی خاص شرائط یا پابندیاں نہ تھیں۔ موسیٰ نے رسم طلاق کی حد بندی کرنے کی غرض سے طلاق نامہ پیش کرتے کا قاعدہ مقررہ کیا تھا لیکن چونکہ یہ قاعدہ ناقص اور غیر تسلی بخش ثابت ہو چکا تھا لہذا مسیح نے اپنی آمد پر فقط طلاق بوجہ زنا کو جائز قرار دے کر اس قانون کی تکمیل کی۔ اُس نے فرمایا کہ خدا کی مرضی و ارادہ یہ ہے کہ نکاح کا رشتہ تادم مرگ قائم رہے۔ اور اگر یہ حکم موسیٰ کے حکم سے بہتر نہ ہوتا تو خداوند مسیح اس کو ہرگز نافذ نہ کرتے۔ علاوہ ازیں قدرے غور کرنے پر وحدت الازدواج کے قانون کی مانند طرفین کے اعتبار سے اس حکم کی فوقیت بھی عیاں ہو جاتی ہے۔ عورت کے نقطہ نگاہ سے تو یہ حکم نہایت ہی مفید ہے کیونکہ اس کے رو سے وہ طلاق کے دائمی خدشہ سے اور اپنی غیر مطمئن حالت سے آزاد ہو جاتی ہے اور مرد کو لیجئے تو بھی یہ قانون نہایت عمدہ ہے۔ کیونکہ ایسی بیوی اس کے مال و منال کی زیادہ نگہداشت اور خبر گیری کرتی ہے۔ بہ نسبت ایسی کے کہ جس کو ہر وقت یہی فکر و اندیشہ دامنگیر رہتا ہو کہ کسی وقت بھی اس کا شوہر اس کو طلاق دیکر علیحدہ کر دیگا۔ لہذا آخر الذکر ہمیشہ اسی فکر میں رہتی ہے کہ اپنے لئے سرمایہ جمع کرے۔ مزید برآں اولاد کے نقطہ نظر سے بھی اس قانون کی فوقیت و مصلحت واضح ہے۔ کیونکہ ایسے خاندان کی اولاد کی حالت کی نسبت جہاں طلاق کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہو اُس خاندان کی اولاد کی حالت جہاں یہ خدشہ نہ ہو بدرجہا بہتر ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں ان کا تمام بچپن کا زمانہ اپنے والدین کی آغوش شفقت اور خبر گیری میں صرف ہوتا ہے۔ ان وہ خبر گیری کہ جس کو تمام ماہرین۔

متفق رائے ہو کر پچھے کی طبعی ترقی اور مناسب اور صحیح نشوونما کے لئے
لازمی قرار دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا معیار واقعی ایسے اعلیٰ تر ہیں کہ جن کی محافظت اور استحکام کا
انتظام بعد میں آنے والی الٹی ہدایت اور انہماک کے ذریعہ سے اشد ضروری تھا۔
لیکن یہاں بھی ہمارا مشاہدہ یہی ہے کہ آنحضرت اس اعلیٰ معیار کو مستحکم و استوار
بنانے کے بجائے پھر اسی افسوسناک ادنیٰ معیار کی جانب رجوع کرتے ہیں مطلق
کی اہانت دے کر اس کو مباح قرار دیا۔ ہم پھر اپنے آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خداوند
یسوع مسیح کے اس کامل اور اعلیٰ تر معیار سے روگردانی کرنا الٹی یا انتظام کے
ماتحت تھا۔

ایک اور مسئلہ ہے یعنی مرد و زن کے مساوات کا مسئلہ جو نکاح اور طلاق
سے بہت قوی تعلق رکھتا ہے۔ ہم عیسائی کے زمانہ میں عورت ذات کو نہایت
ادنیٰ درجہ حاصل تھا۔ خود کثیر لادروعاہی اس حقیقت کی شاہد ہے کہ ایک مرد
متعدد عورتوں کے برابر تصور کیا جاتا ہے اور تنہا ایک یہودی مرد اس طور پر
حاکم تھے جس کو مذہب ایک پہلو اسے یہ تو اہ جس نے مجھے مرد پیدا کیا۔ اس مقام پر بھی
خداوند مسیح مرد و زن کے ساتھ یکساں سلوک کر کے ان کو خدا کی نظر میں ہم پایہ
قرار دے کر شریعت کی تکمیل کرتا ہے۔ بائبل جلیل کے الفاظ کے مطابق نہ کوئی
یہودی نہ یونانی۔ نہ کوئی غلام نہ آزاد۔ نہ کوئی مرد نہ عورت کیونکہ تم سب مسیح
یسوع میں ایک ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح بلا امتیاز مرد و زن ہر دو کو تعلیم دیتا تھا
اور ہر دو کو اس جہان میں مساوی حقوق اور آئندہ جہان سے متعلق
ایک ہی امید دیتا تھا۔ اس زمانہ میں بلکہ بعض غیر تعلیم مہذب ممالک میں
آج کل بھی عام طور پر یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ عورتیں مردوں کے مقابلہ میں

ناقصات العقل اور ان سے کمتر درجہ پر ہیں۔ لیکن مسیحی ممالک میں تجربہ اور مختلف اقسام کے امتحانات نے ہمیشہ کے لئے اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے۔ مختلف شعبوں مثلاً فن شاعری مصوری طب تیمارداری معلمی اور دیگر اسی قسم کے متفرق فنون میں عورتوں نے اپنی صنف کے آسمان شہرت کو چار چاند لگائے ہیں۔ اور بسا اوقات انہوں نے وکالت میں بھی نام پیدا کیا ہے اور کرسی انصاف کو بھی زینت بخشی ہے۔ بلکہ یہاں تک مشاہدہ میں آیا ہے کہ جب لڑکے اور لڑکیاں مشترکہ تعلیم حاصل کرتے ہیں تو عموماً لڑکیاں لڑکوں کی نسبت زیادہ تیز فہمی کا ثبوت دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ممالک عالم ان شرعی امتیازات کو جو مرد و زن کے مابین زمانہ جاہلیت سے حائل تھے منسوخ کرتے جا رہے ہیں یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی تجربہ مرد و زن کی دماغی قابلیتوں کی مساوات کی تائید کرتا ہے کہ جن کو مسیح نے کمال حکمت و دانائی کے ساتھ قائم کیا ہے۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ مسیح یسوع کے بعد کسی اور پیغمبر کو بھیجتا تو ضرور ہے کہ وہ ان مساوات کے سلسلہ کو اور بھی مضبوط کرتا اور اسے براہ جاری رکھتا۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہے یعنی یہ کہ آنحضرت خداوند یسوع مسیح کے ہم پایہ یا اُس سے اعلیٰ تر حکم دینے کے بجائے اُسی فرسودہ اور دیرینہ معیار کی جانب ملتفت ہوئے ہیں جو موسیٰ اور بت پرستوں کے زمانہ سے متعلق ہے اور سورہ ۴۰: ۱۵ میں لیں فرماتے ہیں کہ مردوں کو ان خصائص اور خصائل کی وجہ سے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں عورتوں پر فضیلت حاصل ہے اور کثیر اللہ دہی کے قانون کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یعنی ایک مرد کو چار عورتوں کے برابر بتاتے ہیں شوہروں کو اپنی بیویوں کو مارنے اور لڑکیوں کو لڑکوں کی نسبت باپ کی وراثت کا کمتر حصہ دے کر ان موازات و مساوات کے معیار سے چشم پوشی کرتے ہیں عقل انسانی محو حیرت

ہو کر پوچھتی ہے کہ کیا ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ خدا کا انتظام ہو کہ انسان بجائے آگے
ترقی کرنے کے اپنا قدم پیچھے کی طرف اٹھائے؟ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب
اس امر کی تعلیم دیتے ہیں کہ اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ محبت اور عدل و انصاف
کا سلوک کیا جائے اور اس اعتبار سے یسوع مسیح کے لئے اس پر اور کچھ اضافہ کرنے
کی گنجائش نہ تھی۔ پھر اس کے کہ وہ اپنے پیروؤں کے لئے اپنی زندگی کو قربان
کر دیتے اور اپنی تعلیم کے ذریعہ سے محبت کے کمال کو ظاہر کرتے۔ میں تمہیں
ایک نیا حکم دیتا ہوں کہ ایک دوسرے سے محبت رکھو جیسے میں نے تم سے محبت
رکھی تم بھی ایک دوسرے سے محبت رکھو (یوحنا ۱۳: ۳۴) لیکن غیر مذاہب والوں
اور اپنے دشمنوں کے ساتھ کسی شخص کے تعلق و رشتہ کی رُو سے ہنوز بے شمار
ایسے گہرے نقائص تھے جن کے تدارک کی از بس ضرورت تھی۔

میسوی شریعت ایسے شخص کے طریق عمل کے متعلق جس کا قصور کیا گیا ہو
نہایت سخت اور کم نہ تھی اس کا ارشاد ملاحظہ ہو "تجھ کو ذرا ترس نہ آئے۔ جان کا
بدلہ جان۔ آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ دانت کا بدلہ دانت۔ ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا
بدلہ پاؤں ہو" (استثنا ۱۹: ۲۱) آخر ایسے انتہائی اور ظالمانہ انتقام کے حکم کی وجہ
یا ضرورت ہی کیا تھی! لیکن خداوند مسیح اس قانون کے بدلے جو شاید موسیٰ کے
وحشیانہ زمانہ کے حسب حال تھا ایک نہایت اعلیٰ و خوبصورت قانون پیش کرتے
اور فرماتے ہیں۔ "لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور
اپنے ستانے والوں کے لئے دعا مانگو" جس کسی نے اس قانون کا تجربہ کیا ہے
وہ اس الہی حکمت کی جو اس میں مخفی ہے گواہی دے سکتا ہے۔ عداوت
اور انتقام سے اور زیادہ دشمنی و عناد پیدا ہوتا ہے۔ لیکن غیر متزلزل محبت
کی قدرت و طاقت بڑی زبردست ہے اس میں کسی کو کسی قسم کا شک و

شبہ نہیں ہو سکتا کہ جس وقت بنی آدم اس واحد حکم پر عمل کرنا سیکھ جائیں گے تو جنگ و جہل، دشمنی و عناد اور حقارت و نفرت کا فوراً ہو جائیگا۔ لیکن قرآن اس اعلیٰ قانون یا حکم کی تائید یا تکمیل نہیں کرتا بلکہ برعکس اس کے آٹھ تر پھر توریت کی ناقص شریعت کی جانب مایل ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یعنی آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کی تعلیم دہرائی جاتی ہے اور ہم کو بتایا جاتا ہے کہ جو کوئی اس راستے کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ قصور وار ٹھہرایا جائیگا۔ اپنے دشمنوں پر برکت جہانے کے بدلے آنحضرت ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ سورہ ۳۰ البولہب کے مآخذ اور اس کا جسم برباد ہو جائے اور اس کی بیوی بھی جو گھجور کی رستی سے بندھی ہوئی لکڑیوں کا بار اٹھائے ہوئے ہے..... برعکس اس کے جس وقت خداوند یسوع مسیح صلیب دیا جا رہا تھا۔ اس نے یسوعی دعا کی ”اے باپ ان کو معاف کر کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں“ جس وقت اسماعیلی یہود بنی مروان حضرت محمد کا مضحکہ اڑا رہی تھی تو انہوں نے اپنے معتقدوں سے فرمایا ”کیا کوئی مجھ کو اس سے رمانہ کر لیا؟“ اور جب حضرت عمر رسول کی خواہش کے مطابق اس کو بوقت شب نہایت ہولناک طریق سے قتل کر ڈالتے ہیں تو آنحضرت یہ کہہ کر کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کی امداد کی ہے علانیہ اس کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ یہاں بھی ہم ترقی کے بجائے تنزل و رجعت قہقری کا معاینہ کرتے ہیں۔

اہل یہود کا ایک عظیم نقص دیگر مذاہب والوں کے ساتھ ان کے سلوک میں پایا جاتا ہے۔ اہل یہود غیر اقوام کو ناپاک تصور کرتے تھے امدان کے ساتھ اکل و شرب کو جائز نہ سمجھتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا ان کے ساتھ کسی قسم کا راہ و رسم روانہ رکھتے تھے جیسے کہ انجیل جلیل میں مرقوم ہے کہ یہودی سہریوں سے کسی

طرح کا برتاؤ نہیں رکھتے یہاں تک کہ اگر ممکن ہوتا تو وہ ان کے ملک میں سفر کرنے سے بھی احتراز کرتے تھے۔ مسیح یسوع نے اس انداز کو بالکل منسوخ کر دیا۔ وہ سامریوں کے شہروں اور دیہات میں سے گزرتا تھا اور ان کے مریضوں کو شفا بخشتا تھا بلکہ ایک سامری عورت کے ہاتھ سے پانی پینے کو بھی راضی تھا۔ اس کے اس فعل کے نتائج فوراً ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یعنی بیسیوں سامری اس پر ایمان لے آئے اور تاریکی میں سے نکل کر زندگی میں داخل ہو گئے۔ اس کی چنداں ضرورت نہیں کہ مسیح کے اس طریق عمل یا انداز کی فوقیت کو ظاہر کیا جائے۔ اگر ایک مذہب کے پیروں کے مذہب کے پیروؤں کو ناپاک سمجھ کر ان سے حقارت کرنے لگیں تو کل تجارت۔ تعلیم اور سائنس بلیا میٹ ہو جائے۔ علاوہ ازیں ان لوگوں کے لئے جو راہ ضلالت پر چل رہے ہیں کس طرح ممکن ہے کہ راہ راست پر آئیں۔ تاوقتیکہ وہ جنہوں نے اس کو حاصل کر لیا ہے۔ ان کے ساتھ برادرانہ سلوک نہ کریں اور ان کو ظلمت اور تاریکی سے نکال کر زندگی کی راہ پر نہ لے آئیں۔

یہاں بھی آنحضرت اس مقدس حقیقت کی تائید کرنے کے بجائے سورہ ۵۶:۱۵ میں یوں فرماتے ہیں۔ "اے مومنو اہل یہود اور اہل نصاریٰ کو اپنا دوست نہ خیال کرو کیونکہ وہ فقط ایک دوسرے کے دوست ہیں" شیعہ مسلمانوں کو برابر ہی تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ اہل یہود اور نصاریٰ کو ناپاک سمجھیں اور ان سے احتراز کریں۔ لہذا پھر ایک مرتبہ ترقی کے راستہ میں وہ روک جس کو مسیح خداوند نے دور کر دینے کی کوشش کی تھی ایک منسوخ شدہ اور ادنیٰ حکم کے دوبارہ نفوذ سے از سر نو قائم ہو جاتی ہے۔

غالباً اس سے بھی اہم تر ایک کافر سے متعلق ایک مومن کے فرائض و ذمہ داری کا مسئلہ ہے کیا یہ جائز اور درست ہے کہ مومن بے توجہی

کے ساتھ کافر کی جانب نظر تک نہ اٹھائے اور اس کو اس کی ہر اوپر
 ہی چلنے دے ۹ یا کہ یہ کہ وہ پھر اسی دوری کے ساتھ اس کو اس
 راہ سے پھرنے پر مجبور کرے اور معقول دلائل اور براہین اور اپنے نزدیک
 نمونہ کے ذریعہ سے اس کو راہ حق پر لانے کی سعی و کوشش کرے ۱۰
 چونکہ نوریت میں اس سے متعلق کوئی حکم مندرج نہیں لہذا اہل
 یہود اپنے قرب و جوار کی اقوام کے لئے اپنے آپ کو ذمہ دار نہ سمجھتے
 تھے اس لئے اُن کو نظر انداز کرتے اور اُن سے بالکل بے پروا تھے بلکہ
 اُن کو خدا کی واحد اور برحق کے متعلق لاعلم رہنے اور اپنی ضلالت اور
 گمراہی میں ہلاک ہونے دیتے تھے۔ ماسوع مسیح نے اپنے پیروؤں کو گمراہ
 اور خطاکار دنیا سے متعلق اس بے پروا طریقہ عمل کی اجازت نہ دی بلکہ اُس
 نے اپنے حواریوں کو یہ حکم دیا کہ ”تم ہر ساری خلق کے سامنے انجیل کی تبلیغ
 کرو“ اور ”سب قوموں کو شاگرد بناؤ“ یہ کس طریق پر انجام دیا جاسکتا ہے؟
 تعلیم دینے۔ مریدوں کو شفا بخشنے۔ مرادی کرنے اور غیرات دینے کے ذریعہ سے
 زبردستی اور جبر کی ہرگز اجازت نہ تھی کیونکہ متی ۲۳: ۵۲ میں مرقوم ہے کہ جو خود
 کیسے چاہتے ہیں تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے“ ذرا ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ یہ
 کیسا اعلیٰ حکم ہے! ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے گمراہ شرور و کفر سے کوراج حق
 پر لانے میں طرح پر لازم بلکہ عین انصاف ہے کہ ایک ملکہ اور شخص ایک ملکہ اور شخص
 کی مدد کرے۔ بیہشہ یہ بھی ضروری ہے کہ ایک نجات یافتہ شخص ایک پاکر شرور و کفر
 کو نجات کی راہ دکھائے۔ جبر و اکراہ کی کیوں ممانعت ہے؟ محض اس لئے کہ جس
 وقت کوئی انسان کسی حقیقت سے گمراہ ہو جائے اس وقت وہ خود بخود اس کا تائب ہو
 جاتا ہے اور تب جبر و اکراہ کی ہرگز ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن اگر وہ حقیقت کو سمجھ ہی

نہ تو اُس کے دل میں ایمان پیدا نہیں کیا جاسکتا جس کا نتیجہ لازماً یہ ہوتا ہے کہ اس وقت جبر سے کام لینے سے وہ دیا کار بن کر ایک ایسی حقیقت کا ظاہرہ افکار کرتا ہے جس کا وہ سرے سے قائل ہی نہیں اور یوں خدا کے قریب آنے کے بجائے اُس سے اور زیادہ دور ہو جاتا ہے۔ پھر غور کیجئے کہ اگر تمام مذاہب کے پیرواپنا وقت مریضوں کو شفا بخشنے، تعلیم دینے اور ایک دوسرے کی خدمت کرنے میں صرف کریں۔ تو کیا یہ دنیا باوجود اس قدر مختلف مذاہب کے عرش بریں کا نمونہ ہی نہ بن جائے؟ برعکس اس کے اگر ہم تمام مذاہب والوں کو جہاد اور مذہبی جنگ و جدل کے ذریعہ سے اپنے مذہب کے پیرو بنانا اور پھر اُن سے اپنے عقائد کا ظاہرہ افکار کو ماننا چاہیں تو دنیا کی حالت کیا ہو جائیگی؟

قرآن شریف کا مطالعہ کرتے وقت جب ہم ذیل کے الفاظ ”سو تمہارا جب کفار سے مقابلہ ہو جائے تو اُن کی گردنیں مارو“ سورہ ۲: ۲۴۷: آیت ۴ اور ”اے نبی کفار سے اور منافقین سے بالسان جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے“ سورہ ۹: ۶۶: پڑھتے ہیں تو ہمارے دل کس قدر بخیر ہو جاتے ہیں کیا یہ ممکن نہ تھا کہ آنحضرت بھی مسیح خداوند کی مانند کوئی ایسا ہی اعلیٰ اور عمدہ حکم دیتے؟

اب ایک نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ خدا مذہبی رسوم، نماز، روزہ، طہارت اور اسی قسم کی دیگر باتوں کے متعلق انسان سے کیا طلب کرتا ہے؟ ان سے متعلق دوسری تعلیم اور خداوند مسیح کی تعلیم میں ایک نمایاں فرق پایا جاتا ہے یعنی مسیح کی تعلیم ہوس کی تعلیم سے بدرجہا بہتر اور بلند تر ہے۔ یسوع مسیح نے تورات کی تمام نفسانی اور ظاہری باتوں کو روحانی اور اندرونی بنا کر اور اُن کے حقیقی معانی کو ظاہر کر کے تورات کی شریعت کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ جس طرح بچہ صغیر سنی میں انواع و اقسام کے قوانین و قواعد سے مقید ہوتا ہے لیکن سن بلوغت کو پہنچ کر اُن سے رہائی حاصل کر لیتا ہے، بعینہ وہ خارجی قوانین قواعد و ضوابط قوم یہود کے ابتدائی

ایام میں اہمیت رکھتے تھے مسیح خداوند کے روحانی عہد و پیمان کے قائم کئے جانے پر بظرف کر دئے جاتے ہیں۔

مثلاً دُعا کو لیجئے۔ یسوع مسیح کے زمانہ میں دیندار یہودی روزانہ تین تفرہ اوقات پر پہیل میں داخل ہو کر یا بربل سٹرک کھڑے ہو کر اپنی معینہ دعائیں عبرانی زبان میں کیا کرتے تھے۔ یسوع مسیح نے ایسے بے سمجھے بوجھے دُعاؤں کا دُہرانا باطل قرار دیا اور اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ وہ علانیہ سٹرکوں پر کھڑے ہو کر دُعاؤں نہ کیا کریں جہاں لوگ اُن کو دیکھ سکیں بلکہ اپنی کوٹھڑیوں میں جا کر پوشیدگی میں دعا کریں۔ جہاں فقط خدا ہی ان کو دیکھے۔ اور وقت کے متعلق اُس نے فرمایا کہ ہر وقت دُعا مانگتے رہنا اور بہت نہ مارنی چاہئے۔ اس کے کلام کے مطابق دعا آسمانی باپ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک ایسی دائمی رفاقت اور راز و نیاز کا ذریعہ ہو کہ جس میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو اس رفاقت کو دن میں چار یا پانچ مرتبہ پر محدود نہ کرنا چاہئے۔ ان قوانین کے ذریعہ سے دعا ایک رسمی مظاہری اور سطحی شے ہونے کے بجائے حقیقی اندرونی اور روحانی شے بن جاتی ہے۔

یہی حال روزہ کا ہے۔ مسیح کے ایام زندگی میں متدین یہودی خواہاں کو اس ریاضت کی ضرورت محسوس ہو یا نہ ہو موقتہ میں ضرور دو مرتبہ بلاناغہ پیر اور جمعرات کے روزہ روزہ رکھتے تھے۔ اور اپنے چہروں کو لگاڑتے تھے تاکہ لوگ دیکھ کر اس روزہ داری کی وجہ سے ان کی تعریف کریں۔ اس مقام پر بھی خداوند یسوع مسیح ظاہر داری کی تردید کرتا ہے اور فقط پوشیدہ طور پر روزہ رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو وقت وغیرہ کی خارجی رسمیات کی پابندی سے آزاد رکھتا ہو یا یہ حکم دیتا ہے کہ وہ فرداً فرداً حسب ضرورت روزہ رکھیں۔ لہذا روزہ رکھنا ایک بیرونی سطحی رسم کے بجائے جس کی پابندی لازمی تھی ضرورت کے وقت روحانی

ترقی کا ذریعہ بن گیا۔

توریت میں پاک اور ناپاک ہونے سے متعلق بھی مختلف احکام مندرج ہیں اور اہل یہود و نصاریٰ کی غلاظت و نجاست کو دور کرنے کے لئے ہاتھ دھونے اور اپنے ظروفت کو صاف رکھنے میں بڑے محتاط تھے۔ بعض اشیائے خوردنی ناپاک تصور کی جاتی تھیں اور ان سے پرہیز کیا جاتا تھا۔ مسیح خداوند نے اس تعلیم کے ذریعہ سے جو مقدس مرقس ۱۸: ۷-۲۳ میں پائی جاتی ہے ظاہرہ پردہ کو دور کر کے ان تمام کے اصل مقصد اور منشا کو پورا کر دیا۔ ”کیا تم بھی ایسے بے سمجھ ہو؟ کیا تم نہیں سمجھتے کہ کوئی چیز جو باہر سے آدمی کے اندر جاتی ہے اُسے ناپاک نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ وہ اس کے دل میں نہیں بلکہ پیٹ میں جاتی ہے اور مزید میں نکل جاتی ہے؟ یہ کہہ کر اُس نے تمام کھانے کی چیزوں کو پاک ٹھہرا دیا۔ پھر اُس نے کہا جو کچھ آدمی میں سے نکلتا ہے وہی اُس کو ناپاک کرتا ہے کیونکہ اندر سے یعنی آدمی کے دل سے بُرے خیال نکلتے ہیں۔ جلا وطنیاں۔ چوریاں۔ خونریزاں۔ زنا کاریاں۔ لالچ۔ بدیاں۔ مکر۔ شہوت پرستی۔ بدنظری۔ بدگوئی۔ شہی۔ بیوقوفی۔ یہ سب بُری باتیں اندر سے نکل کر آدمی کو ناپاک کرتی ہیں۔“ اندرونی ناپاکی و نجاست یعنی فقط دل و دماغ کی نجاست انسان کو خدا سے جدا کرتی ہے یہاں بھی خارجی اور عارضی شے اندرونی اور روحانی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

توریت نے عبادت کا مرکزی مقام یروشلیم مقرر کیا تھا۔ لہذا ہر سال اہل یہود ہزار ہا کی تعداد میں یروشلیم میں حج یا زیارت کے خیال سے جایا کرتے تھے کیونکہ یروشلیم کی ہیکل میں عبادت کرنا فرض سمجھا جاتا تھا۔ لیکن خداوند مسیح نے فرمایا کہ وہ وقت آتا ہے بلکہ اب ہی ہے کہ سچے پرستار باپ کی پرستش روح اور سمجائی سے کریں گے۔ کیونکہ باپ اپنے لئے ایسے پرستار ڈھونڈتا ہے۔ خدا روح ہے اور ضرور ہے کہ اُس کے پرستار روح اور سمجائی سے پرستش کریں۔ یہاں بھی خدا کی عبادت

کے فقط ایک مقررہ مقام کے متعلق ادنیٰ اور محدود خیال کو تبدیل کر دیا جاتا ہے اور اس اہم حقیقت کا اظہار کیا جاتا ہے کہ جہاں کہیں کوئی ایماندار روح اور سچائی کے ساتھ دعا کے ذریعہ سے خدا کی پرستش کرے اس کی عبادت خدا کے حضور مقبول ٹھہرتی ہے۔

اسی طرح توریت کے دیرینہ احکام ”تو خون نہ کر“ اور ”تو زنا نہ کر“ کو بھی مسیح نے دل میں بُرے خیالات تک نہ لانے کے حکم کے ذریعہ سے روحانی صورت میں تبدیل کر کے اُن کو پورا کر دیا اُس نے فرمایا: ”میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصہ ہوگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہیگا وہ صدر عدالت کی سزا کے اور جو کوئی اُس کو ”احمق“ کہیگا وہ آگ کے جہنم کا سزاوار ہوگا۔“ اور ”میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی۔ وہ اپنے دل میں اُس کے ساتھ زنا کر چکا۔“

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح خداوند اس لئے دُنیا میں آیا کہ یہ واضح کر دے کہ انسان چند ایک خارجی رسوم کی ادائیگی اور اعمال کے ذریعہ سے اپنی نجات نہیں خرید سکتا۔ کیونکہ یہ فقط دل کی تبدیلی اور نئی پیدائش بلکہ ایک پوری اور کامل تبدیلی کے ذریعہ سے جو نجات دہندہ پر ایمان لانے کے وسیلے سے حاصل ہوتی ہے منحصر ہے۔ یسوع مسیح نے فرمایا ”پُرانی چیزیں جاتی رہیں دیکھو میں سب کچھ نیا بناتا ہوں۔“ یرمیاہ ۳۱: ۳۱ کی پیشین گوئی کے مطابق یہ پُرانا اور نفسانی حکم منسوخ ہو جاتا ہے اور اس کے عوض ایک اندرونی اور روحانی حکم جاری کیا جاتا ہے۔ پس اگر خدا یسوع مسیح کے بعد کوئی اور نبی یا رسول بھیجتا تو یقیناً وہ روحانی مذہب کے قائد کے لئے ان عظیم و پُر فضل باتوں کی جن کی

خداوند یسوع مسیح نے تعلیم دی تاہم دیکھ کر تا۔ لیکن حقیقت یہ ہے
 کہ ان مذکورہ بالا نکات کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت
 ان مفہوم اور سود مند باتوں کو مستحکم اور برقرار کرنے کے بجائے پھر ان
 باتوں کی جانب رجوع کرتے ہیں جن کو عہد نامہ جدید "کمزور اور ادنیٰ عناصر"
 قرار دیتا ہے۔ اور پھر اسی قانون کو جو منسوخ ہو چکا تھا جاری کر دیتے ہیں۔
 یسوع مسیح کے زمانہ سے پیشتر دعامکان و زلمان کی قیود سے مشروط
 تھی اور اس میں تکرار اور اعادہ پایا جاتا تھا۔ مسیح نے اس کو ان قیود سے
 رہا کر کے روحانی بنا دیا۔ آنحضرت نے اگر پھر اس پر دقت کی اور زبان یعنی
 عربی زبان کی قید لگا دی۔ روزہ کو جو اہل یہود کے درمیان مجبوری اور
 خارجی تھا۔ مسیح نے اندرونی بنا کر جبر اور زبردستی کی شرائط سے پاک
 کر دیا۔ لیکن محمد صاحب نے تیس دنوں کے روزہ کو لازمی قرار دے
 کر پھر اسی کمزور اور متروک رسم کو بحال کر دیا۔ مسیح نے ماتہ اور چہرے
 کی پاکیزگی کو دلی پاکیزگی سے تبدیل کر ڈالا تھا۔ آنحضرت نے بیرونی اور
 ظاہری طہارت سے متعلق بھی ہدایات و قواعد دیے ہیں یعنی اعلیٰ اور
 عمدہ احکام کے عوض ادنیٰ احکام کو دوبارہ جاری
 کر دیا۔ عبادت اور زیارت کے مقام کو جو محدود تھا۔ مسیح نے بنی آدم
 کو یہ یقین دلا کر کہ خدا ہر جگہ ایسے پرستاروں کی پرستش اور دعا کو مٹنے
 کے لئے تمہارے جو روح اور راستی سے معمور ہو کر اس کی عبادت کرتے
 ہوں ظہور ہو دینا دیا۔ آنحضرت پھر اسی ادنیٰ تصور کی جانب رجوع کرتے
 ہیں اور کہہ کر عبادت و زیارت کا مقام مقرر کرتے ہیں لیکن اس سے اہم تر
 یہ بات ہے کہ راہ نجات جس کو لوگ کوہِ رب کے مطالعہ سے خدا کے

صد ما احکام کی تعمیل سمجھے تھے مسیح نے اُس کو ان لوگوں کے لئے جو خدا پر ایمان لانے کی وجہ سے دل کی تبدیلی حاصل کرتے ہیں خدا کا مفت انعام بتایا ہے۔ آنحضرت پھر اعمالِ حسنہ کے ذریعہ سے اُس راہ کی تشکیل کرتے ہیں جس کی تخریب کی گئی تھی اور اپنے پیروؤں کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ محض نفسانی احکام کی تعمیل کے ذریعہ سے فردوس میں داخل ہونا ممکن ہے۔

توریت کے خارجی احکام کی کیا ہی عمدہ مثال وہ پلاسٹر کا ڈھانچہ ہے جو ایک شکستہ ہڈی کے گرد جب کہ وہ مضبوط اور درست ہو رہی ہو لگا دیا جاتا ہے۔ اس پلاسٹر کی موجودگی عارضی طور پر تو لازمی ہے لیکن جب صحت کا عمل واقع ہو چکا ہو اور بازو کی ہڈی جڑ چکی ہو تو اس وقت اگر طبیب اس صحت یافتہ عضو کو پلاسٹر میں جکڑ رکھے تو یہ عین ظلم ہوگا۔ اسی طرح یہ خارجی قوانین جو انسانی نسل کی روحانی زندگی کے ابتدائی ایام میں ضرور تھے لیکن جس وقت بنی نوع انسان روحانیت کے عالم میں ترقی کر کے مسیح کی ہدایت سے روحانی زندگی بسر کرنے لگے اور روحانی طور پر خدا کے فرزند بن گئے تو یہ قوانین منسوخ ہو گئے۔ نہ تو عقل اور نہ ہی تجربہ اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ صدیوں کے گزر جانے کے بعد یہ خارجی رسوم و قواعد کا ڈھانچہ اُن پر جبراً رکھا جائے۔ خدا کے انکشاف میں ترقی تو ممکن ہے لیکن اس کا عود کرنا بالکل غیر ممکن ہے۔ آخر میں ہم خدا کے اوصاف و صفات پر غور کریں گے جو ہماری کتب مقدسہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہاں بھی شروع سے لے کر آخر تک ترقی ہی ترقی نظر آتی ہے۔ اہل یہود کی تاریخ کے آغاز میں خدا مرد جنگ

تصور کیا جاتا ہے جو دیگر اقوام سے نفرت کرتا اور ان کی بربادی میں اہل
یہود کی حمایت کرتا ہے۔ ہاں۔ گاہے گاہے ہم خدا کو باپ کی صورت
میں بھی دیکھتے ہیں لیکن وہاں بھی وہ فقط یہود کا ہی باپ سمجھا جاتا ہے
اکثر اوقات وہ ایک بادشاہ عالی قدر و ذی شان خیال کیا جاتا تھا۔ جوڑا
بارعب۔ قوی اور قادر ہوتا تھا اور جس کی رعایا اس سے محبت اور اس کی
اطاعت و فرمانبرداری کرنا زیادہ ضروری سمجھتی تھی اس اہم حقیقت کے
اعتبار سے بھی مسیح کی تعلیم تواریت کی تعلیم کی تکمیل کرتی اور اس کی غایوں
اور کمزوریوں کو پورا کر دیتی ہے۔ مسیح نے اس امر کی تلقین کی کہ خدا باپ ہے
جو نہ صرف نیکو ں سے ہی بلکہ بدکاروں اور خطاکاروں سے بھی محبت
رکھتا ہے اسے نہ فقط یہود ہی سے محبت ہے بلکہ دنیا کی تمام اقوام سے بھی اور
”کہ بہتیرے یورپ اور کچھ سے آکر ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے ساتھ
آسمان کی بادشاہت کی ضیافت میں شریک ہونگے“ مزید برآں وہ یہ سکھاتا
ہے کہ خدا کی خواہش یہ ہے کہ تمام بنی آدم تو بہ کریں۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ ان چھوٹوں
میں سے ایک بھی برباد نہ ہو۔ اس تعلیم کے ذریعہ سے انسان کو غیر محدود امید
اور یقین حاصل ہوتا ہے اور بنی نوع انسان کے لئے انجیل درحقیقت ایک
خوشخبری ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہزار ہا ایسے آدمی جو گناہ کے بارگراں کی وجہ
سے خستہ حال۔ مایوس اور پست ہمت ہو گئے تھے اس آسمانی باپ کی محبت
کا علم حاصل کر کے زندگی اور نجات کو پالیتے ہیں۔

ہم یہ توقع کرتے ہیں کہ بعد میں آنے والا انکشاف یقیناً اس اعلیٰ اور
پاک تعلیم کی تاکید کریگا۔ لیکن جب ہم قرآن کی جانب متوجہ ہوتے ہیں
تو ہم کیا دیکھتے ہیں؟ یہ کہ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ پاک (خدا مغفرت

کرے) نے انسان کی روح میں نیکی و بدی کا دم پھونکا ہے (سورہ الشمس
 ۸ آیت) اور سورہ بقرہ میں مرقوم ہے کہ ”خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت
 کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے“ گنہگار انسان کے لئے
 یہ تعلیم امید سے بالکل خالی ہے۔ کیا آپ کا دل نجاست سے
 بھرا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ خدا نے وہ نجاست آپ کے باطن
 میں رکھی ہے پس جب صورت حال یہ ہے تو انسان کیوں کوشش کرے
 کہ اس کو اپنے دل سے نکال پھینکے اور یوں خدا کی مرضی کے خلاف کام
 کرے۔ کیا بنی نوع انسان ہلاک ہو گئے۔ اور کیا وہ اپنے گناہوں کے
 باعث گمراہ ہو گئے ہیں؟ رسول عربی فرماتے ہیں کہ خدا ہی نے اُن کو
 گمراہ کیا ہے۔ تو پھر وہ کس طرح راہ راست پر آسکتے ہیں؟ خدا کا
 یہ تصور کس قدر ہولناک اور گمراہ کن ہے! کیا یہ بات قابل یقین ہے
 کہ خدائے عادل و رحیم پہلے تو اپنے بندوں کو حکم دے کہ وہ بدی
 سے احتراز کریں اور پھر خود راہ ہلاکت کی جانب اُن کی ہدایت کرے؟
 ہاں کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نیک اور پاک خدا حضرت انسان کو اُن
 اعمال کی وجہ سے نار جہنم میں ڈال دے جو اُس نے خود اُس سے
 جبراً کروائے ہوں؟ یہ خیال مسیح خداوند کی اعلیٰ و پاک تعلیم کے
 مقابلہ میں کس قدر ادنیٰ اور شان الہی کے کس قدر خلاف ہے!
 ہم پھر ایک مرتبہ سوال کرتے اور پوچھتے ہیں کہ آیا انسانی عقل و
 ادراک کے لئے یہ تسلیم کرنا ممکن ہے کہ وہ خدا جو ایک مرتبہ یسوع
 مسیح کے ذریعہ سے تو اپنے آپ کو محبت اور راست بازی کا خدا
 ظاہر کر چکا ہو پھر کسی اور کو بھیج کر اپنے متعلق ایسے ناقابل اعتبار

ادنیٰ اور اسفل تصور کا اظہار کرے۔

مسیحیت اور اسلام کے اس باہمی مقابلہ کو اور زیادہ طول دینا عین ممکن ہے لیکن مشتے نمونہ از خروار اتنا کافی ہے اور یقیناً جو کچھ کہا گیا ہے اس حقیقت کو ثابت کر دیگا جو قوانین مسیح خداوند نے دئے ہیں وہ موسوی شریعت و قوانین سے بدرجہا بہتر ہیں یعنی ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اسی طرح وہ آنحضرت کی شریعت سے بھی اسی مناسبت سے بڑھ کر ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ کی شریعت اور آنحضرت کی شریعت ایک ہیں۔

پس اب حضرت محمد کی نبوت کے متعلق کیا کہا جائے؟ کیا یہ کہ خدا کامل شریعت کے عوض ایک ادنیٰ شریعت کو بھیج کر غلطی کا مرتکب ہوا ہے؟ نعوذ باللہ لیکن اس سوال سے قطع نظر کر کے اے معزز ناظر! یہ بتائیے کہ آپ اپنی روزانہ زندگی کے لئے کونسی شریعت کو اپنا دستور العمل بنائیے؟ کیا ایک دانا اور فہیم شخص اپنے لئے بہتر شریعت کا انتخاب نہیں کرتا اس امر کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ اس کا پیش کرنے والا کون ہے اور اب چونکہ ہم ایمان داری سے مقابلہ کرنے کے بعد یہ دیکھ چکے ہیں کہ ہر ایک اہم مسئلہ سے متعلق مسیح کی تعلیم آنحضرت کی تعلیم پر یقیناً فوقیت رکھتی ہے تو اے معزز ناظر! کیا یہ آپ کا فرض نہیں کہ آپ اس سے بہتر شریعت کو اپنے لئے چن لیں اور اسی کی پیروی کریں جو ”راہ حق اور زندگی ہے“ اور جس نے کامل شریعت پیش کی ہے؟